

افراد قصہ

لیلیٰ :	:
مجنوں :	:
عبد اللہ :	مجنوں کا باپ -
عبد العزیز :	لیلیٰ کا باپ -
بیگم :	لیلیٰ کی ماں -
طرار :	مجنوں کا ہم مکتب ، ایک آوارہ مزاج لڑکا -
خون خوار :	طرار کا باپ -
خیلا :	لیلیٰ کی ہم مکتب ، ایک طوائف زادی -
نوہرہ ڈومنی :	طوائف ، خیلا کی ماں -
مولوی عشق الدین :	لیلیٰ اور مجنوں کا آخوند ، ایک پرانی وضع کا مولوی -
کاہن :	مجنوں کے مستقبل کے متعلق پیش گوئی کرنے والا ایک نجومی -
نوفل :	سلطان روم -
وزیر :	نوفل کا وزیر -
پیر زن :	مجنوں سے بھیک منگوانے والی بڑھیا -
کلوار :	مے فروش -
دایہ :	مجنوں کی خدمت گارِ خاص -
محل دار :	عبد اللہ کے محل کی انچارج -
خدمت گار ، نوکر ، خواصین ، لونڈیاں ، ڈومنیاں ، مکتب کے لڑکے لڑکیاں ، راہ گیر ، باغبان اور دوسرے -	
مقام :	وادی نجد :

مرقع^۱ لیلیٰ مجنوں

عنوان^۲

بہت سے لوگ آکے گاتے ہیں

ترانہ

یہ لطف جہاں کے کم نہ ہوں گے اے دل!
کس دن یہ غم و الم نہ ہوں گے اے دل!
مے پی شب مہتاب میں خانہ خراب
مہتاب تو ہوگا ہم نہ ہوں گے اے دل!

ساقی نامہ

بہار^۳ آئی ہے اے ساقی! شرابِ روح پرور دے
مہک پھولوں کی جس ساغر سے آتی ہے وہ ساغر دے
وہ ساغر دے کہ جس سے بوئے مست یار آتی ہو
وہ صہبا دے کہ جو دل کو سرور وصلِ دلبر دے

۱- یعنی تصویروں کی کتاب جس کو انگریزی میں البم کہتے ہیں۔
یہ اصطلاح مصوروں کی ہے۔ مناسبت اس لفظ کی ڈراما (ہندی نائک) کے
ساتھ ظاہر ہے۔

۲- سرنامہ جس کو انگریزی میں "فرنٹس پیس" (Frontsepice) کہتے ہیں۔
وہ تصویر جو کسی کتاب کے ابتدا میں لگا دیتے ہیں۔
۳- اس غزل میں قصید شاعر یہ ہے کہ بعض استعارات اور تشبیہات
شراب کا ذکر کرے۔ یہ سب استعارے اور تشبیہیں اہل فارس کے کلام
میں موجود ہیں۔ پہلا شعر غزل کا مطلع کہلاتا ہے جس کے دونوں طرف
قافیے اور ردیف پر یا صرف قافیے پر ختم ہوں۔

عجب عالم ہے گلشن میں فضائے سبزہ و گل سے
کوئی جام زمرد گوہرِ یاقوت سے بھر دے
چمن میں صبح کو اٹھتے ہیں شعلے آتشِ گل سے
صبوحی کے لیے ہم کو بھی ساقی آتشِ تر دے
کیا ہے سبز کیا کیا فصلِ گل نے زرد پتوں کو
دوائے زردی، رُخ کے لیے تو آبِ احمر دے
لہو کی بوند بھی اب چشمِ لاغر میں نہیں باقی
علاجِ ناتوانی کے لیے خونِ کبوتر دے
گھٹا گھنگھور چھائی ہے، جہا جہم مینہ برستا ہے
لبالب آج اے ساقی! پیالے بھر کے ساغر دے
ہوائے سرد چلتی ہے، عجب لطفِ برودت ہے
ہمیں بھی آتشِ سیال سے تو آج 'بھر بھر دے
مالِ زندگانی دے نشاطِ نوجوانی دے
مرادِ قلبِ محزون دے دوائے جانِ مضطر دے
شرابِ ارغوانی ہو یہی جوشِ جوانی ہو
مزا ہے موسمِ گل کا جو رندوں کے خدا زر دے
سائے ہیں دلوں میں بے طرح دھڑکے قیامت کے
پلا کر جامِ اے ساقی! نویدِ حوضِ کوثر دے
دکھا دے ہم کو مرزا^۲ لیلیٰ و مجنوں کی تصویریں
شرابِ شوق کے شیشے سے متوالا ہمیں کر دے

۱- تصحیح قیاسی -

۲- مرزا تخلص ہے مرزا محمد ہادی ابن مرزا محمد تقی ابن آغا ولی کا جو
کہ اس مرقع کا مصنف ہے۔ اس شعر کو جس میں تخلص واقع ہوتا ہے،
مقطع کہتے ہیں۔

تصوّر^۱

دن رات سیر کر کے سفید و سیاہ کی
 تصویریں^۲ کھینچتے ہیں ترے جلوہ گاہ کی
 کیا کیا کیا ہے نامہ اعمال کو سیاہ
 ہم شاعروں کو فکر رہی ہے گناہ کی
 میری غزل دلوں پہ نہ کیوں کر اثر کرے
 صورت ہے ہو بہو مرے حالِ تباہ کی

۱۔ صنف کلام : مطاع و دو شعر غزل - بحر مضارع وافی اخرب مکفوف
 و محذوف - وزن : مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن ، دو بار - قصد شاعر : بیان
 اس امر کا کہ شروع تالیف کے وقت مصنف کا کیا خیال تھا - اس کے
 نزدیک شاعری ایک قسم کی مصوری ہے ، اور اس امر کو اُس نے کتاب
 ”امتشعار“ میں نہایت توضیح کے ساتھ بیان کر دیا ہے -

ایکٹ پہلا

پہلا سین — دیوان خانہ

عبداللہ

(دست بہ دعا)

النبیٰ قاضی الحاجات ہے تو بندہ پرور ہے
معینِ بے کساں ہے ، داد رس ہے ، فیض گستر ہے
ترے دربار سے شاہ و گدا در مان پاتے ہیں
تری سرکار سے ہر شخص کی روزی مقرر ہے
ہر اک رنج و تعب میں کون ہے تیرے سوا یا رب !
ہر اک درد و مصیبت میں خدایا تو ہی یاور ہے
کوئی اب غم ہے یا رب تو فقط اولاد کا غم ہے
کہ یوں تو فضل سے تیرے مجھے سب کچھ میسر ہے
خدایا ! دے کوئی فرزند جس سے نام روشن ہو
کہ بے اولاد میرا گھر سیہ خانے سے بدتر ہے
بہ حق آل احمدؑ ہو دعا مقبول عاجز کی
یہ عبداللہؑ بھی یا رب ! ترا اک عبد احقر ہے

۱۔ صنف کلام : غزل مسلسل (خطابی) بحر ہزج سالم - وزن : مفاعیلن
مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن ، دوبار - قصد شاعر : اظہار عظمت باری تعالیٰ
و اخلاص عبد و معبود - شکر نعمت بہ اظہار امارت و مکتت جو کہ عبداللہ
کو حاصل تھی از روئے پسر جہت بقائے نام و ریاست خاندانی -
تمسک بہ اہل بیت رسالت علیہم السلام -

دوسرا سین — کنار چمن

عبداللہ (دل میں^۱)

دنیا^۲ امید پر ہے قائم

امید سے ہے حیات دائم

امید پہ ہے یہ سب زمانہ

امید سے ہے یہ کارخانہ

امید سے زیست کا مزا ہے

امید ہی اصل مدعا ہے

امید خوشی کی سر بہ سر ہے

زوجہ میری بھی بارور ہے

گزرے سب انتظار کے دن

نزدیک آئے بہار کے دن

پورے دن ہو گئے بہ آرام

اب دیر نہیں ہے صبح یا شام

ہوتا ہے خدا کا فضل مجھ پر

اب دیکھیے ہو پسر کہ دختر

کچھ اس کی نہیں مجھے شکایت

جو دے اللہ کی عنایت

۱۔ یعنی اپنے آپ سے۔

۲۔ صنف کلام : مثنوی بحر ہزج مجز و اخرب مقبوض محذوف یا اخرام
اشتر محذوف ، وزن : (۱) مفعول فاعل فعلون۔ وزن : (۲) مفعول مفاعل فعلون
دوبارہ قصد شاعر : اظہار مسرت بہ امید اولاد جس میں تھوڑی سی بیم بھی
ملی ہوئی ہے۔

خدمت گار (ہاتھ اٹھا کر)

الہیٰ خداوند نعمت سلامت !

مبارک مبارک سلامت سلامت !

خدا نے کیا آپ پر فضل اپنا

مبارک ہو فرزند حضرت سلامت

پلے آپ کے دامنِ عافیت میں

رہے یہ پسر تا قیامت سلامت !

رہے باپ بیٹوں پہ مالک کا سایہ !

مع جاہ و اقبال و دولت سلامت !

ہوا آج سرکار پہ فضل خالق

یہ سرکار اور یہ ریاست سلامت !

عبداللہ

اے تری شان کے صدقے مالک !

تیرے احسان کے صدقے مالک !

مجھ سے ناشاد کو کیا شاد کیا

کہ مجھے صاحبِ اولاد کیا

۱۔ عام صورت امرا اور روسا سے اس درجہ (خدمت گار) کے لوگوں کے

خطاب کرنے کی ہے ۔ صنف کلام : غزل اور قطعہ بھی کہہ سکتے ہیں ۔

بھر متقارب سالم ۔ وزن : فعولن فعولن فعولن فعولن ، دوبار ۔ قصید شاعر : اظہار

مسرت خدام بہ کامیابی مخدوم ۔ اظہار بیہجت کے ساتھ کسی قدر خوشامد

بھی ملی ہوئی ہے ۔ انعام وغیرہ کا ذکر ترک کیا گیا تاکہ عبداللہ

کی فیاضی اور نوکروں کی ذاتی خوشی ثابت ہو ۔

۲۔ صنف کلام : مثنوی بھر رمل مجز و مخبون مسکن محذوف ۔ وزن :

فاعلاتن فاعلاتن فعولن ۔ قصید شاعر : اظہار شکر بہ ازاے کامیابی ، حالت مسرت

تھوڑے الم کے ساتھ ملی ہوئی ہے ۔

کس زباں سے ہو ترا شکر ادا
تو ۔۔ بندے پہ کیا فضل اپنا

جو دیا ہے تو جلا دے اس کو!
ہر اک آفت سے بچا دے اس کو!
با سعادت ہو یہ میرا فرزند!
ذی لیاقت ہو یہ میرا فرزند!

تیسرا سین محل سرا (زچہ خانہ)
(ڈومنیاں گاتی ہیں)

یہ کئی کا سردار پیدا ہوا ہے
ریاست کا مختار پیدا ہوا ہے

۱۔ صنف کلام : غزل بحر متقارب سالم۔ وزن : فعولن فعولن فعولن
فعولن ، دوبار۔ قصد شاعر : اظہار مسرت زبانی عورات درجہ ادنیٰ۔ ایسے
موقع پر ڈومنیاں خود ہی کچھ اسی قسم کے شعر موزوں کر کے گاتی
ہیں اور ان میں خاص خاندان کا حال بھی حتی الوسع بیان ہوتا ہے
اور کلمات خوشامد بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی چیزیں جو
گائی جاتی ہیں ، ان کو زچہ خانے کا گیت کہتے ہیں۔ لڑکا ہونے کے بعد
تقریب (سو۔ زاج) چھٹی تک برابر تمام شب اور دن کو بھی گانا
رہتا ہے اور اس گانے سے یہ بھی نفع ہے کہ رات بھر جاگ رہے ،
اس لیے کہ ان ایام میں جاگنا رات بھر کا بچے کی حفاظت کے لیے
آسیب وغیرہ سے کہ اس موقع کے لیے مختص ہیں ، ضروری سمجھا جاتا
ہے۔ غریب خاندانوں میں جن کو ہر روز ڈومنیوں کے رکھنے کا
مقدور نہیں ہے ، بچے کی خالہ ، پھوپھیاں اور ایسی ہی متوسل عورتیں
چھٹی جاگتی ہیں اور گاتی بجاتی رہتی ہیں ، اور امیروں میں بھی عورتیں
گاتی ہیں لیکن ڈومنیوں کے ساتھ شریف عورتوں کا شریک ہو کر
گانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

یہ ہے اپنے بابا کی آنکھوں کی پتلی
یہ اماں کا دل دار پیدا ہوا ہے

یہ لڑکا ہے سب قوم عامر کو پیارا
یہ کنبے کا سالار پیدا ہوا ہے

حسینوں کا دل کیوں نہ ہو اس پہ صدقے
یہ بانکا طرح دار پیدا ہوا ہے

مثل ہے کہ ہوتے ہیں اچھوں کے اچھے
یہ بچہ خوش اطوار پیدا ہوا ہے

کھلی اس کے ہونے سے قسمت ہماری
غریبوں کا غم خوار پیدا ہوا ہے

چوتھا سین — دیوان خانہ

عبداللہ

ارے^۱ کوئی حاضر ہے یاں؟ جلد جائے
ابھی اپنے ہمراہ کاہن کو لائے

خدمت گار

بہت خوب ابھی جا کے لاتے ہیں ہم
جہاں وہ ملے گا بلاتے ہیں ہم
(خدمت گار جاتے ہیں، کاہن کو لے کے آتے ہیں)

۱۔ صنف کلام: مثنوی بحر متقارب سالم و مزاحف - وزن: فعولن
فعولن فعولن فعولن، دوبار۔

۲۔ وزن: فعولن فعولن فعولن فعل - صرف یہ شعر اس وزن پر
ہے، باقی تمام اشعار کا وزن سالم ہے - اس نمایش میں کاہن کا
بلانا، اس کا آنا اور گفتگو وغیرہ بیان کی ہے - یہ رسم ہندوستان میں
غیر شرع مسلمانوں میں جاری ہے - مولود کا زائچہ (جنم پترہ) کھینچوایا جاتا
ہے، امر شرع شریف کے بالکل خلاف ہے -

کاھن

کیا آج ' کاھن کو کیوں سرفراز
خداوند کی عمر ہوئے دراز !

عبداللہ

پسر کا مرے کھینچ تو زانچا
ذرا حال قسمت کا اس کے بتا

کاھن

(زانچہ بنا کے اور انگلیوں پر شمار کر کے)

یہ لڑکا بڑا صاحب نام ہوگا
حسینوں سے اس کو سدا کام ہوگا
کسی کی محبت کا یہ دم بھرے گا
نہ اس بن جیے گا نہ اس بن مرے گا
بہت اس کی طینت میں ہو پاک بازی
حقیقی بنے اس کا عشق مجازی
کہیں گے اسے لوگ وحشت کا پتلا
بھرے گا بہت دن یہ صحرا بہ صحرا

۱۔ جو لوگ علم نجوم کو حق نہیں مانتے وہ اس کو اتفاق کہہ سکتے ہیں۔ قصہ شاعر اس نظم میں یہ ہے کہ کاھن کی زبانی مجنوں کی سوانح عمری کو جو اس کی ولادت کے وقت شروع ہوئی تا انجام حیات ایک ایسی تقریر میں بیان کی جائے کہ اگر وہ بالفرض عبداللہ کے سامنے بیان کی جاتی تو اس کو خلاف نہ گزرتی، اور وجہ خلاف نہ گزرنے کی یہ ہے کہ کاھن عشق مجازی سے ابتدا کر کے فوراً عشق حقیقی کو شروع کر دیتا ہے اور عشق حقیقی کے بیان کے بعد مجنوں کے مصائب کو جو ذکر کرتا ہے، وہ کسی باپ کو جو مسلمان ہے، برے نہیں معلوم ہو سکتے، اس لیے کہ اللہ کی راہ میں مر جانا ہمارا عین ایمان اور مقصود اعلیٰ ہے۔

محبت کا آزار گھڑیوں بڑھے گا
 جنوں بن کے جن اس کے سر پر چڑھے گا
 محبت اسے پھر ٹھکانے لگا دے
 خودی سے چھڑا کر خدا سے ملا دے

اگر نام پوچھو تو ہے قیس بہتر
 مگر لوگ مجنوں کہیں اس کو اکثر
 مبارک ہے یہ نام اور وہ لقب بھی
 سعادت ہے یہ عشق اور وہ طلب بھی

جنوں اور وحشت میں یہ بے بدل ہو
 یہ لڑکا محبت میں ضرب المثل ہو
 عجب گُن ہیں اس کے عجب کام اس کے
 ہزاروں ہی دنیا میں ہوں نام اس کے

سنو نام کا اس کے اسرار تم اب
 کہ ہر حرف میں ہے نہاں ایک مطلب
 کہ ہے 'قاف' سے یہ قتیلِ محبت
 ہوئی 'یا' سے کچھ یادِ جاناں کی صورت

کھلا 'سین' سے یہ سراپا الم ہے
 سینہ بخت ہے سینہ چاکِ ستم ہے
 ملے ہیں جو سب حرف، اس میں ہے یہ سرِ
 کہ ہو وصل کا اس کے انجام آخر
 نہ پوچھو کہ کیوں قاف سے ابتدا ہے
 کہ یہ عشق میں حرفِ آخر پڑا ہے

زمانے میں جو عشق کی انتہا ہو
 وہ اس طفل کے عشق کی ابتدا ہو

نہ پوچھو کہ کیوں درمیاں حرف 'یا' ہے
 کہ بس یار ہی یار دل میں بسا ہے
 پڑا 'سین' آخر میں اس کا سبب کیا
 کہ آخر سعادت ہے انجام اس کا
 یہ بدنام ہو کر نکو نام ہوگا
 وہ آغاز ہوگا یہ انجام ہوگا
 عبداللہ (خدمت گاروں سے)

کاہن کو یہاں سے لے کے جاؤ
 انعام خزانے سے دلاؤ
 (دل میں)

قسمت 'کی کسی کو کیا خبر ہے
 اللہ کے ہاتھ سر بہ سر ہے
 انجام میں ہو اگر بھلائی
 ہو پہلے بدی تو کیا برائی

۱۔ صنف کلام : مثنوی بحر ہزج مجز و اخرب مقبوض محذوف - وزن :
 مفعول مفاعیلن فعولن - قصد شاعر : اس کا بیان کہ عبداللہ کاہن کے اس
 کلام سے کیا نتیجہ نکالتا ہے - عبداللہ پر حالت مسرت شدید کی
 طاری ہے - کاہن کی وہمی گفتگو سے اس کی وہ مسرت زائل نہیں
 ہو سکتی - جر کچھ الم اس کو ہوا، اس کو مذہبی خیالات سے ٹال
 رہا ہے اور اس ذہنی مجادلہ لذت و الم میں لذت کو کاہنی ہوتی ہے - اس
 نمائش کو کسی قدر تاریخ سے مناسبت ہے اس لیے کہ وہ زمانہ شروع
 اسلام کا تھا، ہر ایک با ایمان مسلمان کے دل میں جوش مذہبی بھرا ہوا
 تھا، ہر ایک سچے مسلمان کا یہ مقصد اعلیٰ تھا کہ میں اور میری
 اولاد جہاد میں نام آوری پیدا کرے -

بے شک یہ پسر ہے صاف باطن
کہتا نہیں ہے صاف کاہن

بے شک یہ پسر ہے با سعادت
ہے اس کے نصیب میں شہادت

عشقِ مولا کا دم بھرے گا
اللہ کی راہ میں مرے گا

یہ طفل مرا سعید ہوگا
یہ طفل مرا شہید ہوگا

پانچواں سین محل سرا (عبداللہ کی ڈیوڑھی)

محل دار (چلا کے)

ڈیوڑھی ' پہ ارے یہاں کوئی ہے
کب تک چلاؤں کوئی بھی ہے

۱۔ صنف کلام : مثنوی بحر ہزج و اخرب مجز و اخرب مقبوض
مخدوف - وزن : مفعول مفاعیلن فعولن - اخرام اشتر مخدوف - وزن : مفعولن
فاعیلن فعولن - قصد شاعر اس نمایش میں :

محل سرا (یعنی مکان زنانہ ، جائے سکونت محلات و صاحبات امرا)
کے دروازے پر جو امور واقع ہوتے ہیں ، ان میں سے بعض امور کا
ذکر منظور ہے ۔ محل دار اس عورت ملازمہ کو کہتے ہیں جو
بیگم صاحبہ کے حکم احکام باہر نوکروں تک پہنچاتی ہے اور باہر
کی اطلاع یابی اور عرض و معروض اندر محل میں لے جاتی ہے ۔ یہ عہدہ
اکبر مسن اور فہمیدہ عورت کو دیا جاتا ہے ۔ باہر کے نوکر چاکر
اس سے ڈرتے رہتے ہیں کیوں کہ اس کی رسائی بیگم صاحبہ تک ہے ،
موقوف بحالی تک میں اس کو دخل ہے ۔ جو نوکر چاکر اس سے ملتے
رہتے ہیں ، وہ اکثر بیگم صاحبہ کی خفگی اور سخت کاموں سے بچتے
ہیں ۔ دایہ (جس کو لکھنؤ میں عموماً "اناچی" کہتے ہیں) ، وہ عورت
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(جھنجلا کے اور خوب چیخ کے)
دیکھو کب سے پکارتی ہوں
مردہ بول اٹھے کوئی ”ہاں ، ہوں“

خدمت گار

(محل دار سے مخاطب ہو کر)
کہیے کیا حکم ہے محل دار
آواز تو دے رہا ہوں —
(چپکے سے) ’مُردار‘

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہے جو طفل کو دودھ پلاتی ہے۔ امیر عورتیں اپنے بچوں کو خرد دودھ نہیں پلاتی ہیں۔ اناجی اکثر شریف مگر نہایت غریب گھرانے کی ہوتی ہے۔ جو عورتیں اس نوکری کو قبول کرتی ہیں وہ اپنے کنبے میں نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کوئی شریف خاوند اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اس کی عورت کسی بچے کو کچھ ماہ واری لے کر دودھ پلائے۔ عزیزوں کے لڑکے کو مفت دودھ پلانا بہ رضائے خاوند کچھ ایسا عیب نہیں ہے۔ اناجی کے حقوق بہت کچھ ہوتے ہیں ، وہ عورت جو اجورہ لے کے دودھ پلائے اس کو انا کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ محل دار اور اس کے ماتحت ملازموں میں جو نا اتفاق ہو جاتی ہے ، تو ایسے ہی کچھ نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ اناجی کی عزت محل میں بہت ہوتی ہے۔ خود نواب صاحب اور بیگم صاحبہ اس کی عزت کرتی ہیں ، اور اس کے حقوق بھی بہت ہوتے ہیں۔ جس لڑکے کو وہ دودھ پلاتی ہے ، وہ اس کا ’پلایا‘ کہلاتا ہے۔ ہر ایک پلائے کی شادی میں امرا کی سرکار سے ایسا کچھ ملتا ہے کہ وہ عمر بھر کے لیے مالا مال ہو جاتی ہے۔ انا کو بھی اپنے پلائے سے بہت محبت ہوتی ہے۔ انا اور کاہن کی گفتگو میں نجومیوں کی فال کھولنے اور جاہل عورتوں کی سریع الاعتقادی کی صورت ایک شاعرانہ طریقے سے دکھائی گئی ہے۔

محل دار

ہے قیس کا آج حال ابتر
لے آ کاہن کو جلد جا کر

نوکر

(محل دار سے مخاطب ہو کر)

لو اس کو ابھی میں جا کے لایا

(کاہن کو لا کے ، ڈیوڑھی پر پکار کے)

کہ دو آنا سے کاہن آیا

(دایہ طفل کو پردے کے باہر لے کے آتی ہے)

کاہن

اننا جی سلام ، کہیے کیا حکم

لاؤں میں آپ کا بچا حکم

دایہ

(کاہن سے مخاطب ہو کر ، طفل کو دکھا کے)

کاہن تو جلد فال تو کھول

بچے کا مرے حال تو کھول

اس بچے پہ یہ بچوگ کیا ہے

کاہن ! آخر یہ روگ کیا ہے

بھولے سے نہیں کبھی یہ سوتا

سوتا ہے ، خواب میں ہے روتا

کیا بات کسی نے تھی کہی یہ

سوتا نہیں خواب میں کبھی یہ

پہروں نہیں ہائے دودھ پیتا

کیا جا ۔ یہ کس طرح ہے جیتا

(گویا اس کی گود میں دے دیتی ہے)

تو دیکھ تو کیا بساط اس کی
سر جائے کہیں نہ دائی بندی

(آسمان کی طرف دیکھ کر)

آئی ہو جو اس کی مجھ پہ آ جائے
سر سے اس کے الا بلا جائے

کاھن (فال کھول کے)

دایہ تجھے اس کی کیا خبر ہے
یہ عشق کا بھید سر بہ سر ہے
تو باغ ' گئی تھی جھپٹے وقت
اس بچے کو لے گئی تھی بے وقت
وہ ہو نہ ہو پنج شنبے کا دن

دایہ

سچ ہے تیری یہ بات کاھن

کاھن

تھا گود میں تیرے یہ گل تر
تھی سرخ کلاہ اس کے سر پر

۱۔ باغ کا سماں جو یہاں بیان کیا گیا ہے ، اس میں وحشت اور
بھیانک پن کا رنگ ملایا ہے ۔ شاعر کا قصد ہے کہ لذت و الم
خوف و رحم کے آثار ایک ہی ساتھ پیدا کرے ۔ باغ کے بیان میں
لذت کی تخیل زیادہ ہوگی اور الم کی کم اور شمع و پروانے کی اس
کے برعکس ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آسیب کا تصور ایک
تریت یافتہ ذہن پر کم اثر پیدا کر سکتا ہے ، گو کہ عورتوں کی
تخیل پر اس سے بہت کچھ اثر ہوتا ہے مگر مردوں کی تخیل پر
بہت کم لیکن جلنے کا تصور ہر شخص پر بہت اثر رکھتا ہے ، عام
اس سے کہ تعلیم یافتہ ہو یا نہیں ، مرد ہو یا عورت ۔

کُرتے کا تھا رنگ زعفرانی
 اور گوٹ لگی تھی اس میں دھانی
 اُس وقت نہا کے تو آٹھی تھی ؟
 دایہ

کاہن ! ہاں یہ خطا تھی میری
 کاہن

چوٹی تیری کھلی ہوئی تھی
 پوشاک بتاؤں اب میں تیری
 تھا اودے رنگ کا دوپٹا
 پہنے تھی سرخ پائجاما
 دایہ

کاہن کچھ اور حال بتلا
 سب سچ کہتا ہے تو کہے جا
 اتنا تو بتا دے پہلے اللہ
 ہے جان کی خیر یا نہیں آہ ؟
 ہونا تھا جو اس کے واسطے یوں
 ہے ! اسے لے کے میں گئی کیوں

کاہن یہ سب مری خطا ہے
 بچے کا قصور اس میں کیا ہے
 کاہن

سن دایہ کچھ اور حال اس کا
 تا تجھ کو رہے خیال اس کا
 تیرا بھی نہیں قصور اس میں
 کچھ اور ہی ہے فتور اس میں

جب تو نے چمن کی سیر کی تھی
اک آگ سی واں لگی ہوئی تھی

پھولی ہوئی تھی شفق فلک پر
چلتی تھی ہوائے تند صر صر

سوسن بہ زبان بے زبانی
کہتی تھی عشق کی کہانی

پھولوں کی ہنسی تھی کچھ بھیانک
اک شور مچا تھا واں اچانک

وہ سرو ، وہ سایہ ، وہ لب جو
اور واں پہ وہ قمریوں کی کُؤ کُؤ

واں تھا وحشت پری کا پھیرا
سیمرغ جنوں کا تھا بسیرا

اک چڑیا پُھر سے اڑ گئی تھی
تو دیکھنے جس کو مڑ گئی تھی

تھا حضرت عشق کا تو سایہ
ناگہ دیوِ الم بھی آیا

(حضرت عشق کے نام پر دایہ کا بلائیں لینا)

ہنسنے پہ گلوں کے کھلکھلا کر
اک بار ہنسا تھا یہ گل تر

نرگس کے پاس رو دیا تھا
کچھ ہو کے آداس رو دیا تھا

سنبل سے یہ پیچ و تاب میں تھا
سبزے کے قریب خواب میں تھا

ناگہ بلبل کی آئی آواز
آواز میں کچھ تھا سوز کچھ ساز

سوتے میں سے چونک اٹھا یہ بے تاب
 اس وقت یہ ہو گیا تھا بد خواب
 کیا خواب میں دیکھتا ہے یہ کُل
 ہے یاسِ آمیدِ عشق بالکل
 شبنم کو اس نے روتے دیکھا
 بلبل کو جان کھوتے دیکھا
 پامال خزاں یہ باغ دیکھا
 لالہ کے جگر کا داغ دیکھا
 سمجھا کہ یہ عشق کی سزا ہے
 اس باغ کی بس یہی ہوا ہے
 یہ حضرت عشق کا عمل ہے
 آسیب جنوں کا کچھ خلل ہے
 وحشت کا ہے اس کے سر پہ سایا
 سودا کچھ دل میں ہے سایا

دایہ

کاہن بتلا کوئی آتارا
 جینے کا تو اس کے ہو سہارا
 اس بچے کے حال پر ترس کھا
 اس حسن و جمال پر ترس کھا
 کاہن

کچھ خوف تو جان کا نہیں ہے
 اس دکھ کی بگر دوا نہیں ہے

کیا اس کا بتاؤں میں اتارا
دایہ (ہاتھ جوڑ کے)

کاہن ! بتلا تو کچھ خدا را

کاہن

دایہ ! ہے عشق کی دوا حُسن
ہے عشق تو آگ اور ہوا حُسن

یہ آگ جو اس ہوا سے بھڑکے
جلنے والا کبھی نہ بھڑکے

جلنے کا مال دیکھ لے تو
پروانے کا حال دیکھ لے تو

فانوس میں ہو جو شمع روشن
پروانے کی دیکھے کوئی الجھن

بے تابؔ شوق کوئی دیکھے
جل جانے کا ذوق کوئی دیکھے

اندر شعلہ لپک رہا ہے
باہر یہ سر پٹک رہا ہے

فانوس کا پردہ ہے جو حائل
مضطر ہے یہ مثلِ نیمِ بسمل

پردہ جو درمیاں نہ ہوتا
اک بار جل کے جان کھوتا

دایہ

کاہن کچھ صاف صاف بتلا
میں تو سمجھی نہ یہ معاً